© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(۴)

اب تک سود کے مسئلہ پر جو بحث کی گئی ہے وہ صرف ایک اصولی بحث تھی اب ہم اس کے تعلقات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم ان شبہات کو بھی رفع کریں گے جو ڈاکٹر سیادت علی صاحب نے اپنے خطبہ میں بیان کئے ہیں اور جو ہمارے سابق مضامین کو دیکھ کر بعض دوسرے حضرات نے پیش کیے ہیں۔

ربا الفضل | ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ربٰو دراصل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو راس المال سے استفادہ کی مہلت دینے کے معاوضہ میں وصول کی جاتی ہے۔ اصطلاح شرع میں اس کو "ربا النسیئہ" کہا جاتا ہے یعنی وہ ربٰو جو قرض کے معاملہ میں لیا اور دیا جائے۔ قرآن مجید میں اسی کو حرام کیا گیا ہے، اس کی حرمت پر تمام امت کا اتفاق ہے اور اس میں کبھی کسی شک و شبہہ نے راہ نہیں پائی ہے۔

لیکن شریعت اسلامی کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب چیز کو حرام کیا جاتا ہے اس کی طرف جانے کے جتنے راستے ممکن ہیں ان سب کو بند کر دیا جاتا ہے، بلکہ اس کی طرف پیش قدمی کی ابتدا جس مقام سے ہوتی ہے وہیں روک لگا دی جاتی ہے تاکہ انسان اس کے قریب بھی نہ جانے پائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدے کو ایک لطیف مثال میں بیان فرمایا ہے۔ عرب کی اصطلاح میں حمیٰ اس چراگاہ کو کہتے ہیں جو کسی شخص نے اپنے لیے مخصوص کر لی ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں دوسروں کے لیے اپنے جانور چرانا ممنوع ہو۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہر بادشاہ کی ایک حمیٰ ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حمیٰ اس کے محارم ہیں۔ جو جانور حمیٰ کے اردگرد چرتا پھرتا ہے، بعید نہیں کہ کسی وقت چرتے چرتے وہ حمیٰ کے حدود میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی حمیٰ یعنی اس کے محارم کے اطراف میں چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس کے لیے ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ کب اس کا پاؤں پھسل جائے اور وہ حرام میں مبتلا ہو جائے۔ لہٰذا جو امور حلال و حرام کے درمیان واسطہ ہیں ان سے بھی پرہیز لازم ہے تاکہ تمہارا دین محفوظ رہے۔ یہی مصلحت ہے جس کو مدنظر رکھ کر شارع حکیم نے ہر ممنوع چیز کے اطراف میں حرمت اور کراہیت کی ایک مضبوط باڑہ لگا دی ہے، اور ارتکاب ممنوعات کے ذرائع پر بھی ان کے قرب و بعد کے لحاظ سے سخت یا نرم پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ آگے چل کر پردہ کی بحث میں ہم اس قاعدہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ یہاں اظہار مدعا کے لیے صرف اتنا ہی اشارہ کافی ہے۔

سود کے مسئلہ میں ابتدائی حکم صرف یہ تھا کہ قرض کے معاملات میں جو سودی لین دین ہوتا ہے وہ قطعاً حرام ہے۔ چنانچہ اسامہ بن زید سے جو حدیث مروی ہے۔ اس میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انما الربا فی النسیئة۔ وفی بعض الالفاظ لا ربا الا فی النسیئة۔ یعنی سود صرف قرض کے معاملات میں ہے[1]۔ لیکن بعد میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی اس حمیٰ کے اردگرد بھی بندشیں لگانا ضروری سمجھا، تاکہ لوگ اس کے قریب بھی نہ پھٹک سکیں۔ اسی قبیل سے وہ فرمان نبوی ہے جس میں سود کھانے اور کھلانے کے ساتھ سود کی

[1] حضرت عبداللہ ابن عباس نے ابتدا میں اسی حدیث کی بنا پر یہ فتویٰ دیا تھا کہ سود صرف قرض کے معاملات ہی میں ہے نقد میں نہیں ہے لیکن جب بعد میں ان کو متواتر روایات سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے نقد معاملات میں بھی تفاضل کو منع فرمایا ہے تو انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رجع ابن عباس عن قولہ فی الصرف وعن قولہ فی المتعة۔ اسی طرح حاکم نے حیان العدوی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بعد میں اپنے سابق فتوے پر توبہ و استغفار کی اور نہایت سختی کے ساتھ ربوا الفضل سے منع کرنے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستاویز لکھنے اور اس پر گواہی دینے کو بھی حرام کیا گیا ہے۔ اور اسی قبیل سے وہ احادیث ہیں جن میں ربوا الفضل کی تحریم کا حکم دیا گیا ہے۔

ربوٰ الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا، کیونکہ اس سے زیادہ ستانی کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خواری ہے۔ چنانچہ حضور نے خود ہی اس مصلحت کو اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے جس کو ابو سعید خدری نے بدین الفاظ نقل کیا ہے کہ لا تبیعوا الدرهم بدرهمين فانی اخاف عليكم الرما (والرماهو الربا) یعنی ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نہ فروخت کرو کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خواری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

ربا الفضل کے احکام | سود کی اس قسم کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام منقول ہیں ان کو یہاں لفظ بلفظ نقل کیا جاتا ہے۔

عبادہ بن صامت کی حدیث جو بخاری کے سوا تمام صحاح میں آئی ہے۔

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواءً بسواءٍ يداً بيدٍ فاذا اختلفت هذه الاجناس فبيعوا كيف شئتم اذا كان يداً بيدٍ۔	سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا مبادلہ چاندی سے، گیہوں کا مبادلہ گیہوں سے، جو کا مبادلہ جو سے، کھجور کا مبادلہ کھجور سے نمک کا مبادلہ نمک سے اس طرح ہونا چاہیے کہ مثل بمثل اور برابر برابر اور دست بدست ہو۔ البتہ اگر جنسیں مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔

ابو بکرہؓ کی حدیث جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لا تبیعوا الذھب بالذھب الا سواء	سونے کو سونے کے عوض نہ فروخت کرو مگر برابر برابر
بسواء والفضۃ بالفضۃ الا سواء بسواء	اور چاندی کو چاندی کے عوض نہ فروخت کرو مگر برابر برابر
وبیعوا الذھب بالفضۃ والفضۃ	البتہ سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے
بالذھب کیف شئتم	کے عوض جس طرح چاہو بیچو۔

عبادہ بن صامت کی دوسری حدیث جس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات
ینھیٰ عن الذھب بالذھب والفضۃ	سے منع کرتے سنا ہے کہ سونے کا سونے سے اور چاندی
بالفضۃ والبر بالبر والشعیر	کا چاندی سے اور گیہوں کا گیہوں سے اور جو کا جو سے
بالشعیر والتمر بالتمر والملح	اور کھجور کا کھجور سے اور نمک کا نمک سے مبادلہ کیا
بالملح الا سواء بسواء عینا بعین	جائے مگر اس طرح کہ مبادلہ برابر برابر اور عین بعین
فمن زاد او ازداد فقد اربیٰ۔	ہو۔ جس نے زیادہ لیا اس نے سود لیا۔

عبد اللہ ابن عمر کی حدیث جس کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔

الذھب بالذھب ربا الا ھاء	سونے کا مبادلہ سونے سے سود ہے الا یہ کہ دست
وھاء والورق بالورق ربا الا ھاء	بدست ہو۔ اور چاندی کا مبادلہ چاندی سے گیہوں
وھاء والبر بالبر ربا الا ھاء وھاء	کا مبادلہ گیہوں سے، جو کا مبادلہ جو سے کھجور کا مبادلہ
والشعیر بالشعیر ربا الا ھاء و	کھجور سے سود ہے الا یہ کہ دست بدست ہو۔
ھاء والتمر بالتمر ربا الا ھاء وھاء	

ابو سعید خدری کی حدیث جس کو ابو حنیفہ نے روایت کیا ہے۔

الذھب بالذھب مثلا بمثل یدا بید	سونے کا مبادلہ سونے سے مثل بمثل دست بدست ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والفضل ربا والفضۃ بالفضۃ مثلا بمثل یدا بید والفضل ربا وھکذا قال الیٰ اٰخر الستۃ۔

چاہئے اور جو زیادہ ہے وہ سود ہے، اور چاندی کا مبادلہ چاندی سے مثل بمثل دست بدست ہونا چاہیے اور جو زیادہ ہے وہ سود ہے۔ اسی طرح بقیہ چار اجناس کے متعلق بھی آپ نے ایسا ہی فرمایا۔

ابو داؤد میں ہے۔

ولا باس ببیع الذھب بالفضۃ والفضۃ اکثرھما یدا بید واما نسیئۃ فلا ولا باس ببیع البر بالشعیر والشعیر اکثرھما یدا بید واما النسیئۃ فلا

اور کوئی حرج نہیں اگر سونے کو چاندی کے عوض بیچا جائے اور چاندی زیادہ ہو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔ رہا قرض تو وہ جائز نہیں اور کوئی حرج نہیں اگر گیہوں کا مبادلہ جو سے ہو اور جو زیادہ ہوں بشرطیکہ مبادلہ دست بدست ہو جائے۔ رہا قرض تو وہ جائز نہیں۔

احکام بالا کا ماحصل ان احادیث کے الفاظ اور مقاصد پر غور کرنے سے حسب ذیل اصول اور احکام حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ جب دو چیزیں ایک ہی جنس اور ایک ہی قدر کی ہوں (یعنی مثل بمثل اور عین بعین ہوں) تو ان کا مبادلہ تفاضل (کمی و بیشی) کے ساتھ نہیں ہو سکتا، خواہ نقد ہو یا نسیہ۔ مثلاً ایک تولہ سونے کا مبادلہ اسی عیار کے ایک تولہ ایک رتی سونے کے ساتھ جائز نہیں۔ مبادلہ اگر ہو سکتا ہے تو ایک ہی تولہ سونے کے ساتھ (سوائے لبوا برابر) ہو سکتا ہے۔

۲۔ اگر جنس ایک ہو لیکن قدریں مختلف ہوں تو ان میں تفاضل جائز ہے، مگر قرض جائز نہیں اس صورت میں تفاضل کے ساتھ دست بدست مبادلہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک سونا ۲۲ قیراط کے عیار کا ہے۔ اور دوسرا سونا ۲۰ قیراط کے عیار کا، تو ان کے مبادلہ میں عرف کے لحاظ سے تفاضل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائز ہے، مگر معاملہ دست بدست (یداً بیدٍ) ہونا چاہیے۔ قرض کی صورت میں یہ شبہ واقع ہو سکتا ہے کہ تفاضل کی مقدار مقرر کرنے میں مہلت کا بھی اعتبار کر لیا گیا ہو۔

۳۔ اگر قدر ایک ہو اور جنسیں مختلف ہوں تب بھی تفاضل جائز ہے مگر قرض جائز نہیں۔ مثلاً ایک تولہ سونا ایک سیر چاندی کے برابر قدر رکھتا ہے تو دونوں میں مبادلہ ہو سکتا ہے، مگر دست بدست۔ نسیہ میں وہی شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ اگر جنس اور قدر دونوں میں اختلاف ہو تو تفاضل بھی جائز ہے اور قرض بھی۔ مثلاً ایک طرف نمک ہے اور دوسری طرف گیہوں ہیں۔ ان دونوں میں تفاضل کے ساتھ مبادلہ بھی ہو سکتا ہے اور نسیہ بھی لیکن اگر نسیہ کی صورت میں تفاضل کی مقدار اتنی رکھی جائے جتنی نقد کی صورت میں نہ ہوتی تو یہ سود ہو جائے گا۔

۵۔ اتحادِ جنس کے ساتھ اگر نوعیت اور قدر بدل جائے تو مبادلہ میں تفاضل بھی ہو سکتا ہے اور نسیہ بھی۔ مثلاً ایک طرف خالص سونا ہے اور دوسری طرف سونے کی بنی ہوئی کوئی چیز، یا ایک طرف گیہوں ہیں اور دوسری طرف گیہوں کا آٹا ہے۔ ان صورتوں میں اگرچہ جنسیں مشترک ہیں، لیکن محنت اور عمل کے شمول سے ان کے درمیان جنسی مماثلت باقی نہیں رہی اور قدر میں بھی اختلاف ہو گیا۔ یہی نوعیت زرِ مسکوک کی بھی ہے۔ اس کا چلن محض اس کی فضیت یا طلائیت کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ مسکوکیت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اس لیے سونے یا چاندی کے ساتھ اس کا مبادلہ تفاضل کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر مبادلہ میں مسکوکیت کا اعتبار ساقط ہو کر صرف فضیت یا طلائیت کا اعتبار باقی رہ جائے تو اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو سونے اور چاندی پر ہوتے ہیں۔

۶۔ اگر زرِ مسکوک معیارِ مبادلہ قرار پا جائے اور اشیاء کی قیمتیں اسی کے لحاظ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعین ہوں تو پھر شے کا مبادلہ شے کے ساتھ اس کے وزن یا پیمانہ کے لحاظ سے نہ ہوگا بلکہ زر مسکوک کے معیار پر ان دونوں کی قیمتوں کے لحاظ سے ہوگا۔ مثلاً ایک قسم کے گیہوں روپے کے دس سیر ہیں، اور دوسری قسم کے گیہوں روپے کے آٹھ سیر ہیں تو ان کے درمیان اتحاد جنس کے باوجود تفاضل کے ساتھ مبادلہ ہو سکتا ہے، کیونکہ اب اصل اعتبار ان کے وزن کا نہیں بلکہ ان کی قیمتوں کا ہے۔ اس صورت میں اگر تعین قیمت کے لحاظ سے قرض پر بھی معاملہ ہو تو جائز ہوگا۔ مثلاً ایک شخص ایک روپے کے گیہوں قرض لیتا ہے جبکہ گیہوں کا نرخ دس سیر فی روپیہ ہے اور ایک مہینہ بعد وہ ایک روپیہ اس کو واپس دیتا ہے جبکہ گیہوں کا نرخ ۱۲ سیر فی روپیہ ہو گیا، یا آٹھ سیر فی روپیہ رہ گیا۔ جنس شے میں یہ تفاضل سود کی تعریف میں نہ آئے گا۔ کیونکہ اس صورت میں دراصل معاملہ کی نوعیت یہ ہوگی کہ اس نے روپیہ کے بدلے میں روپیہ ادا کیا۔ مگر یہ اسی وقت جائز ہے جبکہ معاملہ میں اعتبار جنس شے کا نہیں بلکہ قیمت شے کا ہو۔

حضرت عمر کا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ احکام مجمل ہیں اور معاملات کی تمام جزئی صورتوں کی ان میں تصریح نہیں ہے، اس لیے بہت سے جزئیات ایسے پائے جاتے ہیں جن میں شک کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ ربوٰ کی تعریف میں آتے ہیں یا نہیں۔ یہی بات ہے جس کی طرف حضرت عمر نے اشارہ کیا ہے کہ:۔

ان آیۃ الربا من آخر ما نزل من القرآن وان النبی صلعم قبض قبل ان یبینہ لنا فدعوا الربا والریبۃ

آیت ربوٰ قرآن کی ان آیات میں سے ہے جو آخر زمانہ میں نازل ہوئی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا قبل اس کے کہ آپ اس کے تمام احکام ہم پر واضح فرماتے لہٰذا تم اس چیز کو بھی چھوڑ دو جو یقیناً سود ہے۔ اور اس چیز کو بھی جس میں سود کا شبہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہا کے اختلافات احکام کا یہ اجمال ہی ان اختلافات کا مبنیٰ ہے جو اجناس ربویہ کے تعین، اور ان میں تحریم کی علت، اور حکم تحریم کے اجرار میں فقہائے امت کے درمیان ہوئے ہیں۔

ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ربوٰ صرف اُن چھ اجناس میں ہے جن کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے یعنی سونا چاندی گیہوں، جو خرما اور نمک۔ ان کے سوا دوسری تمام چیزوں میں تفاضل کے ساتھ بلا کسی قید کے لین دین ہوسکتا ہے۔ یہ مذہب قتادہ، اور طاؤس اور عثمان البتی، اور ابن عقیل حنبلی اور ظاہریہ کا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم تمام ان چیزوں میں جاری ہوگا جن کا لین دین وزن اور پیمانہ کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ یہ عمار اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، اور ایک روایت کی رو سے امام احمد ابن حنبل کی بھی یہی رائے ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوگا۔ جو کھانے کے کام میں آتی ہیں۔ اگرچہ وہ مکیل اور موزون نہ ہوں۔ یہ امام شافعی کی رائے ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کی بھی۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم طعام کے ساتھ مخصوص ہے بشرطیکہ وہ پیمانہ اور وزن کے لحاظ سے لیا اور دیا جائے۔ یہ سعید بن المسیب کا مذہب ہے اور ایک ایک روایت اس باب میں امام شافعی اور امام احمد سے بھی منقول ہے۔

پانچواں گروہ کہتا ہے کہ یہ حکم مخصوص ہے ان چیزوں کے ساتھ جو قُوت کے کام آتی ہیں یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

درہم و دینار کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ ان میں علت تحریم موزونیت ہے۔ اور شافعی و مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کی رائے یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شنیت اس کی علت ہے۔

مذاہب کے اس اختلاف سے جزئی معاملات میں حکم تحریم کا اجراء بھی مختلف ہو گیا ہے۔ ایک چیز ایک مذہب میں سرے سے جنس ربوی ہی نہیں ہے اور دوسرے مذہب میں اس کا شمار اجناس ربویہ میں ہوتا ہے۔ ایک مذہب کے نزدیک ایک شے میں علت تحریم کچھ اور ہے اور دوسرے مذہب کے نزدیک کچھ اور۔ اس لئے بعض معاملات ایک مذہب کے لحاظ سے سود کی زد میں آجاتے ہیں اور دوسرے مذہب کے لحاظ سے نہیں آتے۔ لیکن یہ تمام اختلافات اُن امور میں نہیں ہیں جو کتاب وسنت کے صریح احکام کی رو سے "ربوٰ" کے حکم میں داخل ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق صرف مشتبہات سے ہے، اور ایسے امور سے ہے جو حلال وحرام کی درمیانی سرحد پر واقع ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان اختلافی مسائل کو حجت بنا کر اُن معاملات میں شریعت کے احکام کو مشتبہ ٹھیرانے کی کوشش کرے جن کے سود ہونے پر نصوص صریحہ وارد ہو چکی ہیں، اور اس طریق احتجاج سے رخصتوں اور حیلوں کا دروازہ کھولے، اور پھر اُن دروازوں سے بھی گذر کر امت کو سرمایہ داری کے راستوں پر چلنے کی ترغیب دے۔ وہ خواہ اپنی جگہ نیک نیت اور خیر خواہ ہی کیوں نہ ہو، حقیقت میں اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جنہوں نے کتاب وسنت کو چھوڑ کر ظن وتخمین کی پیروی کی، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

معاشی قوانین کی تدوین جدید ہم تسلیم کرتے ہیں کہ زمانے کے حالات بدل چکے ہیں، دنیا کے تمدنی اور معاشی احوال میں بہت بڑا انقلاب رونما ہوا ہے، اور اس انقلاب نے مالی اور تجارتی معاملات کی صورت کچھ سے کچھ کر دی ہے۔ ایسے حالات میں وہ اجتہادی قوانین جو اسلام کے ابتدائی دور میں حجاز، عراق، شام اور مصر کے معاشی وتمدنی حالات کو ملحوظ رکھ کر مدون کیے گئے تھے مسلمانوں کی موجودہ ضرورتوں کے لئے کافی نہیں ہیں۔ فقہائے کرام نے اس دور میں احکام شریعت کی جو تعبیر کی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ معاملات کی ان صورتوں کے لئے تھی جو ان کے گرد و پیش کی دنیا میں پائی جاتی تھیں، مگر اب ان میں سے اکثر صورتیں باقی نہیں رہی ہیں، اور بہت سی دوسری صورتیں ایسی پیدا ہوگئی ہیں جو اس وقت موجود نہ تھیں، اس لیے بیع و شرا اور مالیات و معاشیات کے متعلق جو قوانین ہماری فقہ کی قدیم کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی اب حاجت نہیں رہی اور جن قوانین کی اب حاجت ہے وہ ان میں موجود نہیں ہیں۔ پس اختلاف اس امر میں نہیں ہے کہ معاشی اور مالی معاملات کے لئے قانون اسلامی کی تدوین جدید ہونی چاہیئے یا نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ تدوین کس طرز پر ہو؟

تجدید سے پہلے تفکر کی ضرورت

ہمارے تجدد پسند حضرات نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اگر اس کا اتباع کیا جائے اور ان کی اہواء کے مطابق احکام کی تدوین کی جائے تو یہ تدوین در اصل اسلامی شریعت کے احکام کی تدوین نہ ہوگی بلکہ ان کی تخریب ہوگی، اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم درحقیقت اپنی معاشی زندگی میں اسلام سے مرتد ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ طریقہ جس کی طرف یہ حضرات ہماری رہنمائی کر رہے ہیں اپنے مقاصد اور نظریات اور اصول و مبادی میں اسلامی طریقہ سے کلی منافات رکھتا ہے۔ ان کا مقصود محض کسب مال ہے اور اسلام کا مقصود اکل حلال۔ ان کا منتہائے آمال یہ ہے کہ انسان لکھ پتی اور کروڑ پتی بنے، عام اس سے کہ جائز ذرائع سے بنے یا ناجائز ذرائع سے۔ مگر اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان جو کچھ کمائے جائز طریقہ سے، دوسروں کی حق تلفی کیے بغیر کمائے، خواہ لکھ پتی بن سکے یا نہ بن سکے۔ وہ کامیاب اس کو سمجھتے ہیں جس نے دولت حاصل کی، زیادہ سے زیادہ معاشی وسائل پر قابو پایا، اور ان کے ذریعہ سے آسایش، عزت، طاقت اور نفوذ و اثر کا مالک ہوا، خواہ یہ کامیابی اس نے کتنی ہی خودغرضی، ظلم، شقاوت، جھوٹ، فریب اور بے حیائی سے حاصل کی ہو، اور اس کے لئے اپنے دوسرے ابنائے نوع کے حقوق پر کتنے ہی ڈاکے ڈالے ہوں اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے دنیا میں شر و فساد، بداخلاقی اور فواحش پھیلانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نوعِ انسانی کو مادی اخلاقی اور روحانی ہلاکت کی طرف دھکیلنے میں ذرہ برابر دریغ نہ کیا ہو لیکن اسلام کی نگاہ میں کامیاب وہ ہے جس نے صداقت، امانت، نیک نیتی، اور دوسروں کے حقوق ومفاد کی پوری نگہداشت کے ساتھ کسبِ معاش کی جد وجہد کی۔ اگر اس طرح کی جد وجہد میں وہ کروڑپتی بن گیا تو یہ اللہ کا انعام ہے لیکن اگر اس کو تمام عمر صرف قوتِ لایموت ہی پر زندگی بسر کرنی پڑی ہو اور اس کو پہننے کے لیے پیوند لگے کپڑوں اور رہنے کے لیے ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی سے زیادہ کچھ نصیب نہ ہوا ہو تب بھی وہ ناکام نہیں۔ نقطۂ نظر کا یہ اختلاف اُن کو اسلام کے بالکل مخالف ایک دوسرے راستہ کی طرف لے جاتا ہے جو خالص سرمایہ داری کا راستہ ہے۔ اس راستے پر چلنے کے لیے ان کو جن قوانین اور جن آسانیوں اور رخصتوں اور اباحتوں کی ضرورت ہے وہ اسلام میں کسی طرح نہیں مل سکتے۔ اسلام کے اصول اور احکام کو کھینچ تان کر خواہ کتنا ہی پھیلا دیجیے، مگر یہ کیونکر ممکن ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ اصول اور احکام وضع ہی نہیں کیے گئے ہیں۔ اس کی تحصیل کے لیے ان سے کوئی ضابطہ اور دستور العمل اخذ کیا جا سکے پس جو شخص اس راستہ پر جانا چاہتا ہو، اس کے لیے تو بہتر یہی ہے کہ وہ دنیا کو اور خود اپنے نفس کو دھوکہ دینا چھوڑ دے، اور اچھی طرح سمجھ لے کہ سرمایہ داری کے راستہ پر چلنے کے لیے اس کو اسلام کے بجائے صرف یورپ اور امریکہ ہی کے معاشی اور مالی اصول و احکام کا اتباع کرنا پڑیگا

رہے وہ لوگ جو مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں۔ قرآن اور طریقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی عملی زندگی میں اسی کا اتباع کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو ان کو ایک جدید ضابطۂ احکام کی ضرورت دراصل اس لیے نہیں ہے کہ وہ نظامِ سرمایہ داری کے ادارات سے فائدہ اٹھا سکیں یا ان کے لیے قانونِ اسلامی میں ایسی سہولتیں پیدا کی جائیں جن سے وہ کروڑپتی تاجر، ساہوکار اور کارخانہ دار بن سکیں، بلکہ ان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے ایک ضابطہ کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ جدید زمانے کے معاشی حالات اور مالی و تجارتی معاملات میں اپنے طرز عمل کو اسلام کے صحیح اصولوں پر ڈھال سکیں، اور اپنے لین دین میں ان طریقوں سے بچ سکیں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں۔ اور جہاں دوسری قوموں کے ساتھ معاملات کرنے میں ان کو حقیقی مجبوریاں پیش آئیں وہاں ان رخصتوں سے فائدہ اٹھا سکیں جو اسلامی شریعت کے دائرے میں ایسے حالات کے لیے نکل سکتی ہیں۔ اس غرض کے لیے قانون کی تدوین جدید بلا شبہہ ضروری ہے اور علماء اسلام کا فرض ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی سعی بلیغ کریں۔

اسلامی قانون میں تجدید کی ضرورت اسلامی قانون کوئی ساکن اور منجمد (Static) قانون نہیں ہے کہ ایک خاص زمانہ اور خاص حالات کے لیے اس کو جس صورت پر مدوّن کیا گیا ہو اسی صورت پر وہ ہمیشہ قائم رہے اور ازمنہ و احوال کے بدل جانے پر بھی اس صورت میں کوئی تغیر نہ کیا جاسکے۔ یہ نظریہ جن حضرات کا ہے وہ غلطی پر ہیں، بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ وہ اسلامی قانون کی روح ہی کو نہیں سمجھے ہیں۔ اسلام میں دراصل شریعت کی بنیاد حکمت اور عدل پر رکھی گئی ہے۔ تشریع کا اصل مقصد بندگان خدا کے معاملات اور تعلقات کی تنظیم اس طور پر کرنا ہے کہ ان کے درمیان مزاحمت کے بجائے معاونت ہو، ایک دوسرے کے مقابلہ میں ان کے حقوق اور فرائض کامل عدل اور توازن کے ساتھ متعین ہو جائیں، اور نظام اجتماعی میں ہر شخص نہ صرف اپنے کمال لائق کو پہنچ سکے، بلکہ دوسروں کے لیے بھی ان کے کمالات لائقہ کو پہنچنے میں مددگار ہو، یا کم از کم مانع و مزاحم بن کر موجب فساد نہ ہو جائے۔ اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی اور حقائق اشیاء کے اس علم کی بناء پر جو اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے زندگی کے ہر شعبہ میں چند ہدایات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی ہیں، اور اس کے رسول نے اسی کے دئے ہوئے علم سے ان ہدایات کو عملی زندگی میں نافذ کر کے ہمارے سامنے ایک نمونہ پیش کر دیا ہے۔ یہ ہدایات اگرچہ ایک خاص زمانے اور خاص حالات میں دی گئی تھیں اور ان کو ایک خاص سوسائٹی کے اندر نافذ کرایا گیا تھا، لیکن ان کے الفاظ اور طریق نفاذ سے قانون کے چند ایسے وسیع اور ہمہ گیر اصولوں کی تعلیم دے دی گئی ہے جو ہر زمانے ہر احوال اور ہر حالت میں تشریع کے اسی مقصد کو پورا کر سکتے ہیں جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اسلام میں جو چیز ثابت اور غیر متبدل ہے وہ یہی اصول ہیں۔ اب یہ متفقہین کا کام ہے کہ عملی زندگی میں جیسے جیسے حالات اور حوادث پیش آتے جائیں ان کے لیے اصول شریعت کے مطابق صحیح قوانین بناتے جائیں، اور معاملات میں ان کو اس طور پر نافذ کریں کہ شارع کا اصل مقصد پورا ہو۔ شریعت کے اصول جس طرح ثابت اور غیر متبدل ہیں اس طرح وہ قوانین ثابت اور غیر متبدل نہیں ہیں جن کو انسانوں نے ان اصولوں پر متفرع کیا ہے، کیونکہ وہ اصول خدا نے بنائے ہیں اور یہ قوانین انسانوں نے وضع کیے ہیں، وہ تمام ازمنہ و امکنہ اور احوال و حوادث کے لیے ہیں، اور یہ خاص حالات اور خاص حوادث کے لیے۔

تجدید کے لیے چند ضروری شرطیں

پس اسلام میں اس امر کی پوری وسعت رکھی گئی ہے کہ تغیر احوال اور خصوصیات حوادث کے لحاظ سے احکام میں اصول شرع کے تحت تغیر کیا جا سکے، اور جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی جائیں ان کو پورا کرنے کے لیے قوانین وضع کیے جا سکیں۔ اس معاملے میں ہر زمانے اور ہر جماعت کے متفقہین کو قانون سازی کے پورے اختیارات حاصل ہیں، اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ کسی خاص دور کے اہل علم کو تمام زمانوں اور تمام قوموں کے لیے وضع قانون کا چارٹر دے کر دوسروں کے اختیارات کو سلب کر لیا گیا ہو۔ لیکن اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ ہر شخص کو اپنے منشا اور اپنی اھواء کے مطابق احکام کو بدل ڈالنے اور اصول کو توڑ مروڑ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی الٹی سیدھی تاویلیں کرنے، اور قوانین کو شارع کے اصل مقصد سے پھیر دینے کی آزادی حاصل ہو۔ اس کے لئے بھی ایک ضابطہ ہے اور وہ چند شرائط پر مشتمل ہے۔

پہلی شرط | قانون سازی کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مزاج شریعت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ یہ بات صرف قرآن مجید کی تعلیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تدبر کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے[1]۔ ان دونوں چیزوں پر جس شخص کی نظر وسیع اور عمیق ہوگی وہ شریعت کا مزاج شناس ہو جائیگا۔ اور ہر موقع پر اس کی بصیرت اس کو بتا دے گی کہ مختلف طریقوں میں سے کونسا طریقہ اس شریعت کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے، اور کس طریقہ کو اختیار کرنے سے اس کے مزاج میں بے اعتدالی پیدا ہو جائے گی۔ اس بصیرت کے ساتھ احکام میں جو تغیر و تبدل کیا جائے گا وہ نہ صرف مناسب اور معتدل ہوگا، بلکہ اپنے محل خاص میں شارع کے اصل مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ اتنا ہی بجا ہوگا جتنا خود شارع کا حکم ہوتا۔ اس کی مثال میں بہت سے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حضرت عمر کا یہ حکم کہ دوران جنگ میں کسی مسلمان پر حد نہ جاری کی جائے، اور جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا ابو محجن ثقفی کو شرب خمر پر معاف کر دینا، اور حضرت عمر کا یہ فیصلہ کہ قحط کے زمانہ میں کسی سارق کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ یہ امور اگرچہ بظاہر شارع کے صریح احکام کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن جو شخص شریعت کا مزاج دان ہے وہ جانتا ہے کہ ایسے خاص حالات میں حکم عام کے امتثال کو چھوڑ دینا مقصود شارع کے عین مطابق ہے۔ اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے

---

[1] یہاں اشارۃً یہ کہدینا بیجا نہ ہوگا کہ اس زمانہ میں اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کی اصلی وجہ یہی ہے کہ ہماری دینی تعلیم سے قرآن و سیرت محمدی کا مطالعہ خارج ہو گیا ہے اور اس کی جگہ محض فقہ کے کسی ایک سسٹم کی تعلیم نے لے لی ہے اور یہ تعلیم بھی اس طرح دیجاتی ہے کہ ابتدا ہی سے خدا و رسول کے منصوص احکام اور ائمہ کے اجتہادات کے درمیان حقیقی فرق و امتیاز طالب علم کے پیش نظر نہیں رہتا۔ کوئی شخص جب تک حکیمانہ طریق پر قرآن میں بصیرت حاصل نہ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا بغور مطالعہ نہ کرے، اسلام کے مزاج اور اسلامی قانون کے اصول کو نہیں سمجھ سکتا۔ اجتہاد کے لیے یہ چیز ضروری ہے اور تمام عمر فقہ کی کتابیں پڑھتے رہنے سے بھی یہ حاصل نہیں ہو سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے ساتھ پیش آیا۔ قبیلہ مزینہ کے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ حاطب کے غلاموں نے اس کا اونٹ چرالیا ہے۔ حضرت عمر نے پہلے تو ان کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیدیا، پھر فوراً ہی آپ کو تنبہ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ تم نے ان غریبوں سے کام لیا مگران کو بھوکا مار دیا اور اس حال کو پہنچایا کہ اگر ان میں سے کوئی شخص حرام چیز بھی کھالے تو اس کے لیے جائز ہوجائے۔ یہ کہکر آپ نے ان غلاموں کو معاف کردیا اور ان کے مالک سے اونٹ والے کو تاوان دلوایا۔ اسی طرح تطلیقات ثلاثہ کے معاملہ میں حضرت عمر نے جو حکم صادر فرمایا وہ بھی عہد رسالت کے عملدرآمد سے مختلف تھا مگر چونکہ احکام میں یہ تمام تغیرات شریعت کے مزاج کو سمجھ کر کیے گئے تھے اس لیے ان کو کوئی نامناسب نہیں کہہ سکتا۔ بہ خلاف اس کے جو تغیر اس فہم اور بصیرت کے بغیر کیا جاتا ہے وہ مزاج شرع میں بے اعتدالی پیدا کردیتا ہے اور مفضی الی الفساد ہوجاتا ہے۔

دوسری شرط مزاج شریعت کو سمجھنے کے بعد دوسری اہم شرط یہ ہے کہ زندگی کے جس شعبہ میں قانون سازی کی ضرورت ہو اس کے متعلق شارع کے جملہ احکام پر نظر ڈالی جائے اور ان میں غور و فکر کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ ان سے شارع کا مقصد کیا ہے، وہ کس نقشہ پر اس شعبہ کی تنظیم کرنا چاہتا ہے، اسلامی زندگی کے وسیع تر نقشہ میں اس شعبۂ خاص کا کیا مقام ہے، اور اس مقام کی مناسبت سے اس شعبہ میں شارع نے کیا پالیسی اختیار کی ہے۔ اس چیز کو سمجھے بغیر جو قانون وضع کیا جائیگا یا پچھلے قانون میں جو حذف و اضافہ کیا جائے گا، وہ مقصود شارع کے مطابق نہ ہوگا اور اس سے قانون کا رخ اپنے مرکز سے منحرف ہوجائے گا۔ قانون اسلامی میں ظواہر احکام کی اہمیت اتنی نہیں ہے جتنی مقاصد احکام کی ہے۔ فقیہ کا اصلی کام یہی ہے کہ وہ شارع کے مقصود اور اس کی حکمت و مصلحت پر نظر رکھے۔ بعض خاص مواقع ایسے آتے ہیں جن میں اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظواہر احکام پر (جو عام حالات کو مد نظر رکھ کر دیے گئے تھے) عمل کیا جائے تو اصل مقصد فوت ہو جائے ایسے وقت میں ظاہر کو چھوڑ کر اس طریق پر عمل کرنا ضروری ہے جس سے شارع کا مقصد پورا ہوتا ہو۔ قرآن مجید میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی جیسی کچھ تاکید کی گئی ہے، معلوم ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر بہت زور دیا ہے، مگر اس کے باوجود آپ نے ظالم و جابر اُمراء کے مقابلہ میں خروج سے منع فرما دیا کیونکہ شارع کا اصل مقصد تو فساد کو صلاح سے بدلنا ہے جب کسی فعل سے اور زیادہ فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور صلاح کی امید نہ ہو تو اس سے احتراز بہتر ہے علامہ ابن تیمیہ کے حالات میں ہے کہ فتنۂ تاتار کے زمانہ میں ایک گروہ پر ان کا گذر ہوا جو شراب وکباب میں مشغول تھا، علامہ کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو شراب سے منع کرنا چاہا مگر علامہ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ اللہ نے شراب کو سدِ باب فتنہ کے لئے حرام کیا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ شراب ان ظالموں کو ایک بڑے فتنے یعنی قتل نفوس اور نہب اموال سے روکے ہوئے ہے لہذا ایسی حالت میں ان کو شراب سے روکنا مقصود شارع کے خلاف ہے اس سے معلوم ہوا کہ حوادث کی خصوصیات کے لحاظ سے احکام میں تغیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر تغیر ایسا ہونا چاہیے جس سے شارع کا اصل مقصد پورا ہو نہ کہ الٹا فوت ہو جائے

اسی طرح بعض احکام ایسے ہیں جو خاص حالات کی رعایت سے خاص الفاظ میں دیے گئے تھے۔ اب فقیہ کا کام یہ نہیں ہے کہ تغیر احوال کے باوجود انہی الفاظ کی پابندی کرے بلکہ اس کو ان الفاظ سے شارع کے اصل مقصد کو سمجھنا چاہیے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے حالات کے لحاظ سے مناسب احکام وضع کرنے چاہییں۔ مثلاً حضور نے صدقۂ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، یا ایک صاع کشمش دینے کا حکم فرمایا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس وقت مدینہ میں جو صاع رائج تھا اور یہ اجناس جن کا حضور نے ذکر فرمایا بعینہا منصوص ہیں، شارع کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ عید کے روز ہر مستطیع شخص اتنا صدقہ دے کہ اس کا ایک غیر مستطیع بھائی اس صدقہ میں اپنے بال بچوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ کم از کم عید کا زمانہ خوشی کے ساتھ گذار سکے، اس مقصد کو کسی دوسری صورت سے بھی پورا کیا جا سکتا ہے جو شارع کی تجویز کردہ صورت سے اقرب ہو۔

تیسری شرط پھر یہ بھی ضروری ہے کہ شارع کے اصول تشریع اور طرز قانون سازی کو خوب سمجھ لیا جائے تاکہ موقع و محل کے لحاظ سے احکام وضع کرنے میں انہی اصولوں کی پیروی اور اسی طرز کی تقلید کی جا سکے۔ یہ چیز اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان مجموعی طور پر شریعت کی ساخت اور پھر فرداً فرداً اس کے احکام کی خصوصیات پر غور نہ کرے۔ شارع نے کس طرح احکام میں عدل اور توازن قائم کیا ہے۔ کس کس طرح اس نے انسانی فطرت کی رعایت کی ہے دفع مفاسد اور جلب مصالح کے لیے اس نے کیا طریقے اختیار کیے ہیں کس ڈھنگ پر وہ انسانی معاملات کی تنظیم اور اس میں انضباط پیدا کرتا ہے کس طریقہ سے وہ انسان کو اپنے بلند مقاصد کی طرف لیجاتا ہے اور پھر ساتھ ساتھ اس کی فطری کمزوریوں کو ملحوظ رکھ کر اس کے راستہ میں مناسب سہولتیں بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ سب امور تفکر و تدبر کے محتاج ہیں اور ان کے لیے نصوص قرآنی کی لفظی و معنوی دلالتوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کی حکمتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ جو شخص اس علم اور تفقہ سے بہرہ ور ہو وہ موقع و محل کے لحاظ سے احکام میں جزوی تغیر و تبدل بھی کر سکتا ہے اور جن معاملات کے حق میں نصوص موجود نہیں ان کے لیے نئے قوانین بھی وضع کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص قانون سازی میں جو طریقہ اختیار کرے گا وہ اسلام کے اصول تشریع سے منحرف نہ ہوگا۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہے مگر اجتہاد سے کام لے کر اس حکم کو عجم کے مجوسیوں، ہندوستان کے بت پرستوں اور افریقہ کے بربری باشندوں پر بھی وسیع کر دیا گیا۔ اسی طرح خلفاء راشدین کے عہد میں جب ممالک فتح ہوئے تو غیر قوموں کے ساتھ بکثرت ایسے معاملات پیش آئے جن کے متعلق کتاب و سنت میں صریح احکام موجود نہ تھے صحابہ کرام نے ان کے لئے خود ہی قوانین مدون کئے اور وہ اسلامی شریعت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسپرٹ اور اس کے اصول سے پوری مطابقت رکھتے تھے۔

چوتھی شرط: احوال اور حوادث کے جو تغیرات، احکام میں تغیر، یا جدید قانون سازی کے مقتضی ہوں ان کو دو حیثیتوں سے جانچنا ضروری ہے۔ ایک یہ حیثیت کہ وہ حالات بجائے خود کس قسم کے ہیں! ان کی خصوصیات کیا ہیں اور ان کے اندر کونسی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ دوسری یہ حیثیت کہ اسلامی قانون کے نقطۂ نظر سے ان میں کس کس نوع کے تغیرات ہوئے ہیں اور ہر نوع کا تغیر احکام میں کس طرح کا تغیر چاہتا ہے۔

مثال کے طور پر اسی مسئلہ کو لیجئے جو اس وقت زیر بحث ہے۔ معاشی قوانین کی تدوین جدید کے لیے ہم کو سب سے پہلے زمانہ حال کی معاشی دنیا کا جائزہ لینا ہوگا۔ ہم گہری نظر سے معاشیات، مالیات اور لین دین کے جدید طریقوں کا مطالعہ کریں گے، معاشی زندگی کے باطن میں جو قوتیں کام کر رہی ہیں ان کو سمجھیں گے۔ ان کے نظریات اور اصول سے واقفیت حاصل کریں گے۔ اور ان اصول و نظریات کا ظہور جن عملی صورتوں میں ہو رہا ہے ان پر اطلاع حاصل کریں گے۔ اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ زمانۂ سابق کی بہ نسبت ان معاملات میں جو تغیرات ہوئے ہیں ان کو اسلامی قانون کے نقطۂ نظر سے کن اقسام منقسم کیا جاسکتا ہے، اور ہر قسم پر شریعت کے مزاج اور اس کے مقاصد اور اصول تشریع کی مناسبت سے کس طرح کے احکام جاری ہونے چاہئیں۔ جزئیات سے قطع نظر کرکے، اصولاً ان تغیرات کو ہم دو قسموں پر منقسم کرسکتے ہیں۔

(۱) وہ تغیرات جو درحقیقت تمدنی احوال کے بدل جانے سے رونما ہوئے ہیں اور جو دراصل انسان کے علمی و عقلی نشو و ارتقا اور خزائن الٰہی کے مزید اکتشافات اور مادی اسباب و وسائل کی ترقی اور حمل و نقل اور مخابرات کی سہولتوں، اور بین الاقوامی تعلقات کی وسعتوں کے طبعی نتائج ہیں۔ ایسے تغیرات اسلامی قانون کے نقطۂ نظر سے طبعی اور حقیقی تغیرات ہیں، جن کو نہ تو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ مٹانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلوب ہے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے اثر سے معاشی احوال اور مالی معاملات اور تجارتی لین دین کی جو نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، ان کے لیے اصول شریعت کے تحت نئے احکام وضع کیے جائیں تاکہ ان بدلے ہوئے حالات میں مسلمان اپنے عمل کو ٹھیک ٹھیک اسلامی طرز پر ڈھال سکیں۔

۲۔ وہ تغیرات جو دراصل تمدنی ترقی کے نتائج نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے معاشی نظام اور مالی معاملات پر سرمایہ داروں کے حاوی ہوجانے کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔ وہی سرمایہ داری جو عہد جاہلیت میں پائی جاتی تھی، اور جس کو اسلام نے صدیوں تک مغلوب کر رکھا تھا، اب دوبارہ معاشی دنیا پر غالب آگئی ہے، اور تمدن کے ترقی یافتہ اسباب و وسائل سے کام لے کر اس نے اپنے انہی پرانے نظریات کو نت نئی صورتوں سے معاشی زندگی کے مختلف معاملات میں پھیلا دیا ہے۔ سرمایہ داری کے اس غلبہ سے جو تغیرات واقع ہوئے ہیں وہ اسلامی قانون کی نگاہ میں حقیقی اور طبیعی تغیرات نہیں ہیں، بلکہ جعلی تغیرات ہیں جنہیں قوت سے مٹایا جاسکتا ہے، اور جن کا مٹا دیا جانا نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ مسلمان کا اصلی فرض یہ ہے کہ اپنی پوری قوت ان کے مٹانے میں صرف کردے اور معاشی نظام کو اسلامی اصول پر ڈھالنے کی کوشش کرے۔

سرمایہ داری کے خلاف جنگ کرنے کا فرض کمیونسٹ سے بڑھ کر مسلمان پر عائد ہوتا ہے۔ کمیونسٹ کے سامنے محض روٹی کا سوال ہے، اور مسلمان کے سامنے دین و اخلاق کا سوال۔ کمیونسٹ محض محنت کشوں (Proletariates) کی خاطر جنگ کرنا چاہتا ہے اور مسلمان تمام نوع بشری کے حقیقی فائدے کے لیے جنگ کرتا ہے جس میں خود سرمایہ دار بھی شامل ہیں۔ کمیونسٹ کی جنگ خود غرضی پر مبنی ہے اور مسلمان کی جنگ للّٰہیت پر۔ لہٰذا مسلمان تو سرمایہ داری نظام سے کبھی مصالحت کر ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ مسلم ہے اور اسلام کا پابند ہے تو اس کے خدا کی طرف سے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس ظالمانہ نظام کو مٹانے کی کوشش کرے، اور اس جنگ میں جو ممکن نقصان اس کو پہنچ سکتا ہو اسے مردانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت کرے۔ معاشی زندگی کے اس شعبہ میں اسلام جو قانون بھی بنائے گا اس کی غرض یہ ہرگز نہ ہوگی کہ مسلمانوں کے لیے سرمایہ داری نظام میں ضم ہونے اور اس کے ادارات میں حصہ لینے اور اس کی کامیابی کے اسباب فراہم کرنے میں سہولتیں پیدا کی جائیں، بلکہ اس کی واحد غرض یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو اس گندگی سے محفوظ رکھا جائے، اور تمام ان دروازوں کو بند کیا جائے جو مسلمان کو سرمایہ داری کی طرف لے جاتے ہیں۔

تخفیفات کے عام اصول | اس موقع پر یہ کہا جائیگا کہ جب مفاسد زیادہ پھیل گئے ہوں، اور اسلام کے مخالف کوئی نظام مسلمانوں پر غالب آگیا ہو، اور مسلمانوں کے لیے مغلوبیت کی وجہ سے مشکلات پیش آرہی ہوں تو اسلام میں ایسے حالات کے لیے رخصتوں اور سہولتوں کی بھی تو کافی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ قول ایک حد تک بجا ہے۔ بلاشبہ اسلامی قانون کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات اور المشقة تجلب التیسیر۔ چنانچہ قرآن مجید اور ارشادات نبوی میں متعدد مواقع پر شریعت کے اس قاعدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (۲: ۲۸۶)	اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں ڈالتا
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (۲: ۲۳)	اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی نہیں کرنا چاہتا۔
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۲۲: ۱۰	اس نے تم پر دین میں سختی نہیں کی ہے۔
وفی الحدیث: احب الدین الی اللہ تعالی الحنفیة السمحة	اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہ ہے جو سیدھا سادہ اور نرم ہو۔
ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام	اسلام میں ضرر اور ضرار نہیں ہے۔

پس یہ قاعدہ اسلام میں مسلم ہے کہ جہاں مشقت اور ضرر ہو وہاں احکام میں نرمی کر دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر خیالی اور وہمی ضرورت پر تکالیف شرعیہ اور حدود الٰہیہ کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ اس کے لیے بھی چند اصول اور ضوابط ہیں جو شریعت کی تخفیفات پر غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں:-

اولاً یہ دیکھنا چاہیے کہ مشقت کس درجہ کی ہے۔ مطلقاً ہر مشقت پر تو تکلیف شرعی رفع نہیں کی جا سکتی، ورنہ سرے سے کوئی قانون ہی باقی نہ رہے گا۔ جاڑے میں وضو کی تکلیف، گرمی میں روزے کی تکلیف، سفر حج اور جہاد کی تکالیف یقیناً مشقت کی تعریف میں آتی ہیں، مگر یہ ایسی مشقتیں نہیں ہیں جن کی وجہ سے تکلیفات ہی کو سرے سے ساقط کر دیا جائے۔ تخفیف یا اسقاط کے لیے مشقت ایسی ہونی چاہیے جو موجب ضرر ہو، مثلاً سفر کی مشکلات، مرض کی حالت، کسی ظالم کا جبر و اکراہ، تنگ دستی، کوئی غیر معمولی مصیبت، فتنۂ عام، یا کوئی جسمانی نقص۔ ایسے مخصوص حالات میں شریعت نے بہت سے احکام میں تخفیفات کی ہیں اور ان پر دوسری تخفیفات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے

ثانیاً تخفیف اسی درجہ کی ہونی چاہیے جس درجہ کی مشقت اور مجبوری ہے مثلاً جو شخص بیماری میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لیے لیٹ کر پڑھنا جائز نہیں۔ جس بیماری کے لیے رمضان میں دس روزوں کا قضا کرنا کافی ہے اس کے لیے پورے رمضان کا افطار ناجائز ہے۔ جس شخص کی جان شراب کا ایک چلو پی کر یا حرام چیز کے ایک دو لقمے کھا کر بچ سکتی ہے، وہ اس حقیقی ضرورت سے بڑھ کر پینے یا کھانے کا مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح طبیب کے لیے جسم کے پوشیدہ حصوں میں جتنا دیکھنے کی واقعی ضرورت ہے اس سے زیادہ دیکھنے کا اس کو حق نہیں۔ اس قاعدہ کے لحاظ سے تمام تخفیفات کی مقدار، مشقت اور ضرورت کی مقدار پر مقرر کی جائے گی۔

ثالثاً کسی ضرر کو دفع کرنے کے لیے کوئی ایسی تدبیر اختیار نہیں کی جا سکتی جس میں اتنا ہی یا اس سے زیادہ ضرر ہو۔ بلکہ صرف ایسی تدبیر کی اجازت دی جا سکتی ہے جس کا ضرر نسبتہً خفیف ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی کے قریب قریب قاعدہ بھی ہے کہ کسی مفسدہ سے بچنے کے لیے اس سے بڑے یا اس کے برابر کے مفسدہ میں مبتلا ہو جانا جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ جائز ہے کہ جب انسان دو مفسدوں میں گھر جائے تو بڑے مفسدہ کو دفع کرنے کے لیے چھوٹے مفسدہ کو اختیار کرلے۔

رابعاً جلب مصالح پر دفع مفاسد مقدم ہے۔ شریعت کی نگاہ میں بھلائیوں کے حصول اور ماموراتِ واجبات کے ادا کرنے کی بہ نسبت برائیوں کو دور کرنا، اور حرام سے بچنا، اور فساد کو دفع کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے اسی لیے وہ مشقت کے مواقع پر ماموراتت میں جس فیاضی کے ساتھ تخفیف کرتی ہے، اتنی فیاضی منہیات اور محرمات کی اجازت دینے میں نہیں برتتی۔ سفر اور مرض کی حالتوں میں، نماز روزے اور دوسرے واجبات کے معاملہ میں جتنی تخفیفیں کی گئی ہیں اتنی تخفیفیں نجاستوں اور حرام چیزوں کے استعمال میں نہیں کی گئیں۔

خامساً مشقت یا ضرر کے زائل ہوتے ہی تخفیف بھی ساقط ہو جاتی ہے، مثلاً بیماری رفع ہو جانے کے بعد تیمم کی اجازت باقی نہیں رہتی۔

مسئلہ سود میں شریعت کی تخفیفات | مذکورۂ بالا قواعد کو ذہن نشین کرلینے کے بعد غور کیجیے کہ سود کے مسئلہ میں احکامِ شریعت کے اندر کس حد تک تخفیف کی جاسکتی ہے۔

(۱) سود لینے اور سود دینے کی نوعیت یکساں نہیں ہے۔ سود پر قرض لینے کے لیے تو انسان بعض حالات میں مجبور ہو سکتا ہے لیکن سود کھانے کے لیے درحقیقت کوئی مجبوری پیش نہیں آسکتی۔ سود تو وہی لے گا جو مالدار ہو، اور مالدار کو ایسی کیا مجبوری پیش آسکتی ہے جس میں اس کے لیے حرام حلال ہو جائے؟

(۲) سودی قرض لینے کے لیے بھی ہر ضرورت، مجبوری کی تعریف میں نہیں آتی۔ شادی بیاہ اور خوشی و غمی کی رسموں میں فضول خرچی کرنا کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہے۔ موٹر خریدنا یا مکان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنانا کوئی واقعی مجبوری نہیں ہے عیش و عشرت کے سامان فراہم کرنا، یا کاروبار کو ترقی دینے کے لیے روپیہ فراہم کرنا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے امور جن کو "ضرورت" اور "مجبوری" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جن کے لیے مہاجنوں سے ہزاروں روپے قرض لیے جاتے ہیں، شریعت کی نگاہ میں ان کی قطعاً کوئی وقعت نہیں اور ان اغراض کیلئے جو لوگ سود دیتے ہیں وہ سخت گناہ گار ہیں۔ شریعت اگر کسی مجبوری پر سودی قرض لینے کی اجازت دے سکتی ہے تو وہ اس قسم کی مجبوری ہے، جس میں حرام حلال ہو سکتا ہو۔ یعنی کوئی سخت مصیبت جس میں سود پر قرض لیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، جان یا عزت پر آفت آگئی ہو یا کسی ناقابل برداشت مشقت یا ضرر کا حقیقی اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں ایک مجبور مسلمان کے لیے سودی قرض لینا جائز ہو گا۔ مگر وہ تمام ذی استطاعت مسلمان گنہگار رہوں گے جنہوں نے اس مصیبت میں اپنے اس بھائی کی مدد نہ کی اور اس کو فعل حرام کے ارتکاب پر مجبور کر دیا، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس گناہ کا وبال پوری قوم پر ہو گا، کیونکہ اس نے زکوٰۃ و خیرات اور اوقاف کی تنظیم سے غفلت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے افراد بے سہارا ہو گئے اور ان کے لیے اپنی ضرورتوں کے وقت ساہوکاروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے سوا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔

(۳) شدید مجبوری کی حالت میں بھی صرف بقدر ضرورت قرض لیا جا سکتا ہے اور لازم ہے کہ استطاعت بہم پہنچتے ہی سب سے پہلے اس سے سبکدوشی حاصل کی جائے کیونکہ ضرورت رفع ہو جانے کے بعد سود کا ایک پیسہ دینا بھی حرام مطلق ہے۔ یہ سوال کہ آیا ضرورت شدید ہے کہ نہیں، اور اگر شدید ہے تو کس قدر رہی ہے، اور کس وقت وہ رفع ہو گئی، اس کا تعلق اس شخص کی عقل اور احساس دینداری سے ہے جو اس حالت میں مبتلا ہوا ہو، وہ جتنا زیادہ دیندار اور خدا ترس ہو گا، اور اس کا ایمان جتنا زیادہ قوی ہو گا۔ اتنا ہی زیادہ وہ اس باب میں محتاط ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) جو لوگ اپنے مال کی حفاظت یا موجودہ انتشار قومی کی وجہ سے اپنے مستقبل کی طمانیت کے لیے بنکوں میں روپیہ جمع کرائیں، یا انشورنس کمپنی میں بیمہ کرائیں، یا جن کو کسی قاعدہ کے تحت پراویڈنٹ فنڈ میں حصہ لینا پڑے ان کے لیے لازم ہے کہ انقضائے مدت کے بعد صرف اپنا راس المال واپس لیں۔ اور اس راس المال میں سے بھی ڈھائی فیصدی سالانہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں، کیونکہ اس کے بغیر وہ جمع شدہ رقم ان کے لیے ایک نجاست ہوگی، بشرطیکہ وہ خدا پرست ہوں زر پرست نہ ہوں۔

(۵) بنک یا انشورنس کمپنی یا پراویڈنٹ فنڈ سے سود کی جو رقم ان کے حساب میں نکلتی ہو اس کو سرمایہ داروں کے پاس چھوڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اُن مفسدوں کے لیے مزید تقویت کا موجب ہوگا۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس رقم کو ان سے لے کر ان مفلس مسلمانوں پر خرچ کر دیا جائے جن کی حالت قریب قریب وہی ہے جس میں حرام کھانا انسان کے لیے جائز ہو جاتا ہے۔

(۶) مالی لین دین اور تجارتی کاروبار میں جتنے منافع سود کی تعریف میں آتے ہوں، یا جن میں سود کا اشتباہ ہو، ان سب سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے اور احتراز ممکن نہ ہو تو وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو نمبر ۵ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس معاملہ میں ایک ایماندار مسلمان کی نظر جلب منفعت پر نہیں بلکہ دفع مفاسد پر ہونی چاہیے۔ اگر وہ خدا سے ڈرتا ہے اور یوم آخر پر اعتقاد رکھتا ہے تو حرام سے بچنا اور خدا کی پکڑ سے محفوظ رہنا اس کے لیے کاروبار کی ترقی اور مالی فوائد کے حصول سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے۔

اب اس سلسلہ مضمون میں سود کی بحث کو ختم کیا جاتا ہے کیونکہ آئندہ اشاعت میں اسی سلسلہ کے دوسرے مسئلہ یعنی مسئلہ حجاب پر کلام کرنا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سود کے مسئلہ پر مباحثہ کا دروازہ بند کیا جا رہا ہے گذشتہ پچاس سال سے اب تک اس کثرت کے ساتھ غلط خیالات کی اشاعت ہو رہی ہے کہ کسی ایک مضمون سے ان سب کی اصلاح نہیں ہو سکتی جن حضرات کی اس مضمون سے تشفی نہ ہوئی ہو، وہ اپنے شبہات و اعتراضات پیش کر سکتے ہیں ان شاء اللہ ان کی تفہیم کے لیے پوری کوشش کی جائے گی وما توفیقی الا باللہ۔

© rasailojaraid.com